تدبرِ قرآن

۵۴

القمر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کا آغاز اسی مضمون سے ہوا ہے جس پر سابق سورہ ختم ہوئی ہے۔ سابق سورہ اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ (۵۷) (قریب آپہنچی قریب آنے والی) کی تنبیہ پر تمام ہوئی۔ اس سورہ کا آغاز اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۱) (عذاب کی گھڑی قریب آن پہنچی اور چاند شق ہوگیا) سے ہوا ہے۔ گویا اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ کے اجمال کی اس میں تفصیل فرما دی گئی ہے۔ اس مناسبت کے علاوہ ایک اور ظاہری مناسبت بھی دونوں میں واضح ہے۔ پہلی سورہ میں ستاروں کے ہبوط و سقوط سے دعوے پر شہادت پیش کی گئی ہے اور اس میں چاند کے پھٹنے سے۔

اس میں آیت وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ بار بار دہرائی گئی ہے۔ جس سورہ میں کسی آیت کی ترجیع ہو اس کو سورہ میں خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ گویا متکلم تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اپنے دعوے پر دلائل بیان کرتے ہوئے ضدی مخاطب کو بار بار توجہ دلاتا ہے کہ اپنی ضد ہی پر کیوں اڑے ہوئے ہو، اس واضح حقیقت پر کیوں نہیں غور کرتے جو تمھارے سامنے دلائل کی روشنی میں پیش کی جا رہی ہے۔

مخاطب اس میں وہ مکذبین ہیں جو قرآن کے انذار کی تصدیق کے لیے کسی ایسی نشانیٔ عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے جو انھیں قائل کر دے کہ فی الواقع قرآن کی یہ دھمکی سچی ہو کے رہے گی اگر وہ اس کو جھٹلاتے رہے۔ ان کو پچھلی قوموں کی تاریخ، جس کی طرف پچھلی سورہ میں بھی اشارہ ہے، نسبتاً تفصیل کے ساتھ سنا کر تنبیہ فرمایا ہے کہ آخر ان قوموں کے انجام سے کیوں عبرت نہیں حاصل کرتے؟ کیوں مچلے ہوتے ہو کہ جب یہی کچھ تمھارے سروں پر بھی گزر جائے گا تب مانو گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اس نے تمھیں عذاب کی نشانی دکھانے کی جگہ ایک ایسی کتاب تم پر اتاری ہے جو تمھاری تعلیم و تذکیر اور تمھارے شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے ہر پہلو سے جامع و کامل اور تمام ضروری اوصاف و محاسن سے آراستہ ہے۔ لیکن تمھارا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جگہ تم اس کے عذاب کے طالب بنے ہوئے ہو۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی کہ ان ضدیوں کے مطالبۂ عذاب کی کوئی پروا نہ کرو۔ ان کو بڑی سے بڑی نشانی

بھی دکھا دی جائے گی تب بھی یہ ماننے والے نہیں ہیں۔ یہ عقل کے پیرو نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کے غلام ہیں۔ ان کے لیے قوموں کی تاریخ میں بڑا درسِ عبرت موجود ہے لیکن ان میں عبرت پذیری کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ تمھاری پکار سننے والے نہیں ہیں۔ ان کا معاملہ اس پکارنے والے پر چھوڑو جو قرآن کے بجائے ان کو جہنم کے لیے پکارے گا اور یہ اس کی پکار پر اس طرح قبروں سے نکلیں گے جس طرح پراگندہ ٹڈیاں برآمد ہوتی ہیں۔

(۹ - ۴۲) قریش کو قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور قوم فرعون کے انجام سے سبق لینے کی ہدایت کہ انھوں نے بھی تمھاری ہی طرح اپنے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو دیکھ لو کہ ان کا انجام کیا ہوا؟ وہی انجام تمھارا بھی ہوگا اگر تم نے بھی انہی کی روش اختیار کی۔ تمھارے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے خطرے کے ظہور سے پہلے پہلے تم کو ہوشیار کر دینے کے لیے قرآن اتارا جو عبرت و نصیحت اور یاددہانی حاصل کرنے کے لیے ہر پہلو سے آراستہ ہے لیکن افسوس کہ تم اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے عذاب کے طالب ہو!

(۴۳ - ۵۵) قریش کو آگاہی کہ جب ماضی کے کفار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ رہا ہے تو آخر تمھارے ہی کفار کو ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ وہ یوں ہی چھوڑے رکھے جائیں گے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں ان کے لیے معافی کا کوئی پروانہ لکھ دیا ہے! کیا ان کو گمان ہے کہ وہ ہمارے مقابل میں اپنی مدافعت کر لیں گے! اگر وہ اس حماقت میں مبتلا ہیں تو یاد رکھیں کہ اللہ کافروں اور متقیوں کے ساتھ ایک معاملہ نہیں کرے گا، بلکہ کافروں کو وہ جہنم کی سزا دے گا اور مومنوں کو جنت کے صلہ سے نوازے گا۔

سُورَةُ القَمَرِ (۵۴)

مَكِّيَّةٌ —— آیات : ۵۵

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ۱-۸

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝۵ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝۶ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝۷ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

ترجمۂ آیات ۱-۸

عذاب کی گھڑی سر پر آگئی اور چاند شق ہو گیا، اور یہ کوئی سی بھی نشانی دیکھیں گے تو اس سے اعراض ہی کریں گے اور کہیں گے کہ یہ تو جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اور انھوں نے جھٹلا دیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اور ان کو ماضی کی سرگزشتیں پہنچ چکی ہیں جن میں کافی سامانِ عبرت موجود ہے، نہایت دل نشین حکمت۔ لیکن تنبیہات کیا کام دے رہی ہیں! تو ان سے اعراض کرو اور اس دن کا انتظار کرو جس دن پکارنے والا ان کو ایک نہایت ہی نامطلوب چیز کی طرف پکارے گا۔

ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور یہ نکلیں گے قبروں سے جس طرح منتشر ٹڈیاں نکلتی ہیں، بھاگتے ہوئے پکارنے والے کی طرف۔ اس وقت کافر کہیں گے، یہ تو بڑا کٹھن دن آگیا! ۱-۸

۱- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (۱)

رسول اتمام حجت کے بعد عذاب کی علامت ہوتا ہے

'اَلسَّاعَۃُ' سے مراد فیصلہ اور عذاب کی گھڑی ہے جس سے قریش کو، یوں تو اس گروپ کی تمام ہی سورتوں میں آگاہ کیا گیا ہے لیکن سابق سورہ میں خاص اہتمام کے ساتھ ان کو جھنجوڑا گیا ہے کہ 'اَزِفَتِ الْاٰزِفَۃُ' (۵۷) یہ قریب آنے والی قریب آ گئی ہے۔ اس کو بہت دور نہ سمجھو، جاگو اور اٹھو اور اس سے بچنے کی واحد تدبیر پر، جو تمھیں سمجھائی جا رہی ہے، عمل کر کے اپنے کو اس کی آفتوں سے بچانے کی کوشش کرو۔

یہ بات ہم جگہ جگہ واضح کرتے آرہے ہیں کہ اللہ کے رسولوں نے اپنی قوموں کو دو عذابوں سے ڈرایا ہے۔ ایک تو اس عذاب سے جو اس دنیا میں لازماً قوم پر آکے رہتا ہے اگر وہ رسول کے انذار کو خاطر میں نہیں لاتی بلکہ اس کی تکذیب پر اڑ جاتی ہے۔ دوسرے اس عذاب سے جو آخرت میں پیش آئے گا۔ ان دونوں عذابوں میں فرق صرف آغاز و تکمیل یا تمہید اور خاتمہ کا ہے۔ رسول کی تکذیب کے عذاب میں جو قوم پکڑی جاتی ہے وہ درحقیقت آخرت کے عذاب ہی کے لیے پکڑی جاتی ہے اس وجہ سے لفظ 'اَلسَّاعَۃُ' بسا اوقات ان دونوں ہی عذابوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ہر قوم جس کے اندر رسول آگیا اس کے فیصلہ کی گھڑی سر پر آگئی۔ گویا 'اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ' کا اسلوب بیان مبالغہ کا اسلوب نہیں بلکہ یکسر بیانِ حقیقت ہے۔

ظہورِ عذاب کی ایک نشانی

'وَانْشَقَّ الْقَمَرُ' یہ علامت بیان ہوئی ہے عذاب کی گھڑی کے قریب آنے کی۔ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کا حوالہ ہم اس کتاب میں جگہ جگہ دے چکے ہیں کہ یوں تو اس زمین و آسمان کے چپے چپے پر اس کی قدرت و حکمت کی نشانیاں موجود ہیں اور آئے دن نئی نئی نشانیاں بھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں لیکن رسولوں کی بعثت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ خاص طور پر ایسی نشانیاں ظاہر فرماتا ہے جس سے رسول کے انذار اور اس کے دعوائے رسالت کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن میں اس سنتِ الٰہی کا ذکر جگہ جگہ ہوا ہے ہم ایک آیت بطور مثال پیش کرتے ہیں۔ فرمایا ہے: 'سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ' (حٰمٓ السجدۃ ۴۱: ۵۳) (ہم عنقریب ان کو دکھائیں گے اپنی نشانیاں اس کائنات میں بھی اور خود

ان کے اندر بھی) ان نشانیوں کا مقصود، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، رسول کے انذار کو تقویت پہنچانا ہوتا ہے۔ رسول جن باتوں کی منادی زبان سے کرتا ہے اس کی تائید کے آثار و شواہد اس کائنات میں بھی، مختلف شکلوں میں، ظاہر ہوتے ہیں تاکہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت اچھی طرح پوری ہو جائے۔ اسی طرح کی ایک نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انذار کی تائید کے لیے چاند کے پھٹنے کی صورت میں ظاہر ہوئی تاکہ منکرین عذاب و قیامت پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ قرآن ان کو جو ڈرا رہا ہے کہ زمین اس دن ہلا دی جائے گی، پہاڑ پاش پاش ہو کر فضا میں اڑنے لگیں گے، سمندر ابل پڑیں گے، سورج تاریک ہو جائے گا، یہ باتیں ان کو مرعوب کرنے کے لیے نہیں بیان ہوئی ہیں بلکہ یہ حقائق ہیں جو ایک دن پیش آکے رہیں گے اور یہ بعید از امکان بھی نہیں ہیں، ان کے شواہد کسی نہ کسی شکل میں اس دنیا میں بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔

اس طرح کی نشانیوں کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ رسول نے ان کو اپنے معجزے کے طور پر پیش کیا ہو بلکہ ان کا ظہور کسی اعلان و تحدی کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کفار نے بعینہٖ اسی نشانی کا مطالبہ کیا ہو جو ظاہر ہوئی بلکہ ان کی طرف سے کسی مطالبہ کے بغیر محض اس لیے بھی ان کا ظہور ہوتا ہے کہ کفار کے پیش کردہ شبہات کا ان کو جواب مل جائے۔ کفار قیامت کو جو بہت بعید از عقل چیز خیال کرتے تھے اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ ساری کائنات ایک دن بالکل درہم برہم ہو جائے۔ پہاڑوں سے متعلق ان کا جو سوال قرآن میں نقل ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کو وہ بالکل اٹل، غیر متزلزل اور غیر فانی سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شق قمر کی نشانی دکھا کر ان کو بتایا کہ اس کائنات کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی خواہ وہ کتنی ہی عظیم ہو، نہ خود مختار ہے، نہ غیر فانی، نہ غیر متزلزل؛ بلکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے۔ وہ جب چاہے گا ان سب کو درہم برہم کر کے رکھ دے گا۔

ایک سوال کا جواب

رہا یہ سوال کہ اس طرح کا کوئی واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیش آیا بھی ہے تو اس کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ سے، یہی بات نکلتی ہے کہ یہ پیش آیا اور حدیثوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ صورتِ واقعہ کے بارے میں تو حدیثیں ضرور مختلف ہیں لیکن نفسِ واقعہ کے بارے میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ قیامت کے دن پیش آنے والے واقعہ کی خبر ہے جس کو ماضی کے صیغہ سے اس کی قطعیت کے اظہار کے لیے بیان فرمایا گیا ہے۔ ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ جائے گا۔ یہ قول اگرچہ اگلوں میں سے بھی بعض لوگوں سے نقل ہوا ہے اور اس زمانے میں بھی اس کو ایک گروہ کے اندر حسنِ قبول حاصل ہے لیکن سیاقِ کلام اس سے اباء کرتا ہے۔ اس میں تو شبہ نہیں ہے کہ قیامت میں پیش آنے والے واقعات قرآن میں ماضی کے

دی تو اس کو بھی یہ جادو کا کرشمہ قرار دے کر نظر انداز کر دیں گے۔

'مستمر' کا مفہوم

'سحر' کے ساتھ 'مستمر' کی صفت اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے کہ وہ اس نشانی کو صرف جادو ہی نہیں کہیں گے بلکہ لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے یہ بھی کہیں گے کہ جادو ہونے کے اعتبار سے بھی اس میں کوئی ایسی ندرت و جدت نہیں ہے کہ اس کو کوئی خاص اہمیت دی جائے بلکہ یہ اسی قسم کا جادو ہے جس قسم کے جادو پچھلے جادوگروں نے دکھائے اور سکھائے اور جو برابر منتقل ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس نشانی کی وجہ سے ان کو خدا کا نذیر ماننا تو درکنار کوئی غیر معمولی جادوگر سمجھنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے 'مستمر' کے معنی فانی کے لیے ہیں لیکن اس معنی میں اس کا استعمال میرے علم میں نہیں ہے۔

وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ (۳)

کفار کو ڈھیل دینے کی حکمت

یہ ان کی تکذیب، سببِ تکذیب اور اس کے انجام کا بیان ہے کہ انھوں نے (یعنی قریش نے) خدا کے نذیر اور اس کے انذار کی تکذیب کر دی اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی جس کے سبب سے وہ سنتِ الٰہی کے مطابق عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر کام ایک معیّن پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔ جب ان کی اجلِ معیّن پوری ہو جائے گی تو پکڑ لیے جائیں گے۔ یعنی ان کو جو ڈھیل مل رہی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ پیغمبر کا انذار محض ایک ڈراوا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کے لیے مقرر کر رکھا ہے تاہم وہ بالکل قریب آ گیا ہے۔

تکذیب کی علت

'كَذَّبُوا' کے بعد 'وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ' کے الفاظ سے ان کی تکذیب کی علت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ انھوں نے رسول کے انذار کی جو تکذیب کی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس اس تکذیب کی کچھ دلیلیں ہیں یا فی الواقع کچھ شبہات ہیں جو ابھی صاف نہیں ہوئے ہیں یا ان کو کوئی ایسی نشانی نہیں دکھائی گئی ہے جو ان کو مطمئن کر دے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کے غلام ہیں۔ اگر وہ جزا و سزا کو مان لیں تو اپنی ان خواہشوں سے انھیں دست بردار ہونا پڑتا ہے جس کا حوصلہ ان کے اندر نہیں ہے اس وجہ سے وہ مختلف قسم کی باتیں بنا رہے ہیں۔ یہ مضمون سورۂ نجم کی آیت ۲۹ کے تحت وضاحت سے گزر چکا ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْأَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ (۴)

عاقل وہ ہے جو دوسروں کے انجام سے سبق حاصل کرے

یہ اسی اوپر والی بات ہی کی وضاحت ہے کہ اگر ان پر ابھی عذاب نہیں آیا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے۔ ان کو پچھلی قوموں کی جو سرگزشتیں سنائی گئی ہیں اگر وہ غور کریں تو ان کے اندر کافی سامانِ عبرت موجود ہے۔ ان سرگزشتوں سے انھیں معلوم ہو جائے گا کہ جس قوم نے بھی رسول کے انذار کی تکذیب کی بالآخر وہ عذابِ الٰہی کی گرفت میں آ گئی۔ تاخیرِ عذاب سے وہ

قومیں بھی انہی کی طرح اس مغالطے میں مبتلا ہوئیں کہ پیغمبر کی دھمکی محض خالی خولی دھمکی ہے لیکن وہ بالکل سچی ثابت ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے حق میں بہتر ہے کہ تاریخ سے سبق لیں۔ اس انتظار میں نہ رہیں کہ جب سب کچھ ان کے اپنے سروں پر سے گزر جائے گا تب مانیں گے۔ اس وقت کا اعتراف نہ پہلوں کے لیے مفید ہوا ہے نہ ان کے لیے مفید ہوگا۔

قوموں کی یہ سرگزشتیں پچھلی سورتوں میں بھی اجمالاً و تفصیلاً گزر چکی ہیں اور اس سورہ میں بھی آیت ۹ سے وہ آرہی ہیں۔ وہاں آپ دیکھیں گے کہ ہر سرگزشت کے بعد 'فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ' کی آیت بار بار آتی ہے تاکہ مخاطب پر واضح کر دیا جائے کہ رسول کے انذار کی صداقت یوں ثابت ہو کے رہتی ہے اور اس کو جھٹلانے والے یوں عذاب میں پکڑے جاتے ہیں۔

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (۵)

یعنی ان سرگزشتوں کے اندر نہایت دل نشین حکمت موجود ہے، مگر دیکھ لو یہ تنبیہات کیا نفع دے رہی ہیں! 'ما' نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور استفہامیہ بھی، لیکن استفہامیہ میں زیادہ زور بھی ہے اور موقع کلام سے زیادہ مناسبت بھی۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ (۶)

نبی صلعم کو تسلی آمیز ہدایت

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی آمیز ہدایت ہے کہ ایسے اندھوں کی آنکھوں کی پٹی کھولنا اور ان کو راہ دکھانا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ اب تم ان سے اعراض کرو اور اس دن کا انتظار کرو جس دن اسرافیل صور پھونکیں گے اور یہ قیامت کے عذاب کی طرف پکارے جائیں گے۔

'تَوَلَّ' یہاں 'انْتَظِرْ' کے مفہوم پر متضمن ہے۔ یہی مضمون دوسری آیت میں یوں آیا ہے: 'وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ' (ق ۴۱) (اور کان لگاؤ اس دن کی پکار کے لیے جس دن پکارنے والا نہایت قریب کی جگہ سے پکارے گا)۔ 'نکر' سے اشارہ ہولِ قیامت کی طرف ہے۔ اس کی ہولناکی کی شدت ظاہر کرنے کے لیے ابہام کا اسلوب اختیار فرمایا ہے۔ یعنی آج تو ان کو اس دن کے لیے تیاری کی جو دعوت دی جا رہی ہے اس کو خاطر میں نہیں لا رہے ہیں، لیکن جلد وہ وقت آرہا ہے کہ ایک داعی اسی ہولناک چیز کی طرف پکارے گا اور سب اس کی طرف نہایت فرمانبرداری و خشیت کے ساتھ بھاگیں گے۔

خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ‎مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (۷-۸)

نفخ صور کے بعد قبروں سے نکلنے کی تصویر

یعنی آج تو اللہ کا رسول ان کو اس دن کے ہول سے بچنے کے لیے تیاری کی دعوت دے رہا ہے تو یہ اس سے اکڑتے ہوئے اعراض کر رہے ہیں لیکن جب روزِ قیامت کا داعی پکارے گا تو یہ اس طرح قبروں سے نکلیں گے جس طرح ٹڈی دل نکلتا ہے اور ان کا حال یہ ہوگا کہ ان کی نگاہیں ذلت سے جھکی ہوئی ہوں گی

اور داعی کی طرف نہایت تیزی سے بھاگ رہے ہوں گے۔

خُشَّعًا، اور مُّهْطِعِيْنَ، دونوں حال ہیں۔ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ، نفخ صُور کے بعد لوگوں کے قبروں سے نکلنے کی تمثیل ہے۔ برسات میں کبھی سر شام پتنگوں کو زمین سے ابھرتے دیکھا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے زمین سے پتنگوں کا طوفان اُبل پڑا ہے۔ یہی صورت ٹڈیوں کے ابھرنے کی بھی ہوتی ہے اور یہی شکل لوگوں کے قبروں سے نکلنے کی بھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ شانیں دکھائی ہیں، اس لیے ہیں کہ انسان کو قیامت کی یاددہانی زمین و آسمان کے گوشے گوشے سے برابر ہوتی رہے۔

يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ۔ یعنی آج تو جب اللہ کا رسول ان لوگوں کو اس دن کے ہول سے ڈراتا ہے قرآن کو ہر چیز انہونی اور ناممکن نظر آتی ہے اور نہایت ڈھٹائی سے اس کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جب وہ دن سامنے آ جائے گا تو نہایت حسرت و یاس کے ساتھ پکار اٹھیں گے کہ لاریب وہ کٹھن دن آ گیا جس سے نبیوں اور رسولوں نے آگاہ کیا تھا!

۲- آگے آیات ۹-۱۷ کا مضمون

اوپر آیت ۴ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ میں قریش کو یہ تنبیہ جو فرمائی گئی ہے کہ آخر یہ لوگ عذاب دیکھنے ہی کے لیے کیوں مچلے ہوئے ہیں، ان کو پچھلی قوموں کی جو تاریخ سنائی گئی ہے اس سے سبق کیوں نہیں لیتے! اس کی وضاحت کے لیے آگے رسولوں اور ان کی قوموں کی تاریخ سنائی جا رہی ہے کہ تمہاری ہی طرح ان قوموں نے بھی اپنے رسولوں کے انذار کا مذاق اڑایا۔ بالآخر وہ اس عذاب کی گرفت میں آ گئیں جس سے اللہ کے رسول نے ان کو ڈرایا تو بہتر ہے کہ ان قوموں کی تقلید کر کے اپنی شامت کو دعوت نہ دو بلکہ اللہ نے اپنے فضلِ خاص سے تمہاری تعلیم و تذکیر کے لیے جو کتاب اتاری ہے اس سے یاددہانی حاصل کرو۔ یہ کتاب مقصدِ تعلیم و تذکیر کے لیے ہر پہلو سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۹-۱۷

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ

تَرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٥﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

ترجمۂ آیات ۹-۱۷

ان سے پہلے قوم نوح نے بھی جھٹلایا۔ انھوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کردی اور کہا کہ یہ تو خبطی ہے اور وہ جھڑک دیا گیا تو اس نے اپنے رب سے فریاد کی کہ میں مغلوب ہوں، اب تو ان سے انتقام لے۔ پس ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش سے کھول دیے اور زمین کو چشمے ہی چشمے کر دیا۔ پس پانی جا ٹکا اس نشان پر جو ٹھہرا لیا گیا تھا اور ہم نے اس کو ایک تختوں اور میخوں والی پر اٹھا لیا جو چلتی رہی ہماری حفاظت میں۔ یہ ہم نے بدلہ لینے کے لیے کیا اس کا جس کی ناقدری کی گئی۔ اور ہم نے اس سرگزشت کو ایک داستانِ عبرت بنا کر چھوڑا (عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے) تو ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا! دیکھ لو کس طرح سچا ثابت ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا! اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے نہایت موزوں بنا یا ہے تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا! ۹-۱۷

۳- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ (۹)

قوم نوح کے انجام کی طرف اشارہ

ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ آیت ۴ میں قوموں کی تاریخ کی طرف جو اجمالی اشارہ فرمایا ہے یہ اسی کی تفصیل ہے۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کو لیا ہے اس لیے کہ یہاں بیانِ واقعات کی ترتیب تاریخی ہے۔ فرمایا کہ ان سے (یعنی قریش سے) پہلے قوم نوح بھی اللہ کے رسول کے انذار کی تکذیب کر چکی ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی دی گئی ہے کہ تنہا تمہی کو اپنی قوم کی طرف سے تکذیب سے دوچار نہیں ہونا پڑا ہے، ان مکذبین کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ان سے پہلے قوم نوح بھی اپنے پیغمبر کی تکذیب کر چکی ہے اور دوسری قومیں بھی جن کی تفصیل آگے آرہی ہے اپنے اپنے رسولوں

کی تکذیب کرتی آئی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تاریخ کی ایک پرانی اور معروف حکایت ہے جو کچھ اگلے رسولوں کو پیش آیا ہے اس سے تمھیں بھی سابقہ پیش آئے گا اور تکذیب کے جس انجام سے دوسری قومیں دوچار ہوئی ہیں اسی سے تمھاری قوم بھی دوچار ہوگی اگر اس نے انہی قوموں کی تقلید کی۔

'فَکَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ' 'ف' تفصیل کے لیے ہے۔ واقعہ کا اجمالاً حوالہ دینے کے بعد اب یہ اس کی تفصیل سنائی جا رہی ہے کہ انھوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا، اس کو دیوانہ اور خبطی ٹھہرایا اور اس کو جھڑک دیا گیا۔

لفظ 'عَبْدَنَا' سے حضرت نوح علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی جس محبتِ خاص کا اظہار ہو رہا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ عزت و جاہ کے سرمستوں اور عیشِ دنیا کے متوالوں کو اللہ کے رسولوں نے جب عذابِ دنیا اور عذابِ آخرت سے ڈرایا اور اس طرح ڈرایا کہ اس کے لیے اپنے رات دن ایک کر دیے تو یہ چیز ان پر بہت شاق گزری۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ آخر ان پر عذاب کیوں اور کدھر سے آجائے گا؟ اگر وہ سزاوارِ عذاب ہیں تو انھیں جو دولت و عزت حاصل ہے وہ کیوں حاصل ہوئی؟ یہ عزت شوکت تو دلیل ہے کہ وہ خدا کی نظروں میں معزز ہیں اور اگر آخرت ہوئی تو وہاں بھی اسی طرح معزز رہیں گے جس طرح یہاں ہیں۔ اس مغالطہ میں پڑ کر وہ رسول کے ہر وقت کے انذارِ عذاب سے اس درجہ برافروختہ ہوئے کہ اس کو انھوں نے دیوانہ اور خبطی کہنا شروع کر دیا کہ اس شخص کو عذاب اور قیامت کا مالیخولیا ہو گیا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے اس کو ہر طرف سے عذاب ہی آتا دکھائی دیتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے دل کا غصہ بھی نکال لیتے اور اپنے عوام کو بھی اطمینان دلاتے کی کوشش کرتے کہ رسول کے انذار سے وہ متاثر نہ ہوں۔ یہ کوئی رسول نہیں بلکہ ایک خبطی ہے جو ہر وقت عذاب عذاب کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔

'وَازْدُجِرَ' سے اشارہ قوم نوح کی ان دھمکیوں کی طرف ہے جو حضرتِ نوحؑ کو سنگسار کر دینے کی دی گئیں، مثلاً سورۂ شعراء میں آیا ہے: 'قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ' (۱۱۶) (انھوں نے دھمکایا کہ اے نوح، اگر تم اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو سنگسار کیے ہوئے لوگوں میں سے ہو کے رہو گے!)

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (۱۰)

جب قوم کی عداوت اس حد کو پہنچ گئی کہ حضرت نوح علیہ السلام کو سنگسار کر دینے کی دھمکی دے دی گئی تب انھوں نے اپنے رب سے فریاد کی کہ اے رب! میرے اندر جتنا زور تھا وہ میں نے ان کو رام کرنے پر صرف کر دیا لیکن میں اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ اب میری طاقت، جواب دے چکی ہے اس وجہ سے تجھ سے فریاد ہے کہ تو ان سرکشوں سے نمٹ!

'اِنْتِصَار' کے معنی مدافعت کرنے اور انتقام لینے کے ہیں۔ یعنی میری طرف سے مدافعت کر اور ان

کی سرکشی کا انتقام لے۔ حضرت نوحؑ کی اس دعا کی پوری تفصیل آگے سورۂ نوح میں آئے گی۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ (۱۱-۱۲)

یہ اس سائیکلونی طوفان کی تصویر ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے بعد ان کی قوم پر آیا۔ اس کی تفصیل سورۂ ذاریات کی تفسیر میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ فرمایا کہ ہم نے ایک موسلا دھار بارش کے ساتھ ان پر آسمان سے تمام دروازے کھول دیے اور زمین کو چشمے ہی چشمے کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی طوفانی بارش جس کے لیے آسمان کے تمام گیٹ کھول دیے گئے ہوں تھوڑی ہی دیر میں زمین کو دریاؤں، ندیوں اور نالوں کی شکل میں تبدیل کر دے گی۔

'فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نشان پانی کے بلند ہونے کے لیے ٹھہرا لیا گیا تھا اس نقطہ پر زمین اور آسمان کا پانی باہم جا ملا اور اس نے پوری قوم نوح کو اس طرح چھا لیا کہ کسی کے لیے بھی اس سے بچنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ (۱۳)

اصل محافظ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے

'ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ' سے مراد ظاہر ہے کہ وہ کشتی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام نے، اللہ تعالیٰ کی خاص ہدایت کے تحت، بنائی۔ اس کا ذکر اس کے اجزائے تعمیر کی تفصیل کے ساتھ یہاں، میرے نزدیک، اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت، عنایت، رحمت اور شان کے اظہار کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طوفان نے پوری قوم کی قوم کا بیڑا غرق کر دیا، جس سے کوئی متنفس بھی نہ بچ سکا، اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو بچانا چاہا ان کو میخوں سے جڑے ہوئے لکڑی کے تختوں پر بچا لیا۔ یعنی اصل چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہے، وہ شاملِ حال ہو تو لکڑی کے چند تختے طوفانِ نوح سے بچا لیتے ہیں اور وہ شاملِ حال نہ ہو تو بڑے سے بڑے جنگی جہاز چشم زدن میں بلبلے کی طرح بیٹھ جاتے ہیں اور مضبوط سے مضبوط بند تنکوں کی طرح سیلاب کے زور میں بہ جاتے ہیں۔

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ (۱۴)

یعنی یہ کشتی چونکہ خاص ہماری حفاظت اور ہماری نگرانی میں تھی اس وجہ سے وہ بے خوف و خطر چلتی رہی، طوفان کے تھپیڑے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ کشتی اکیلے حضرت نوحؑ کے پاس ہی تو نہیں تھی، دوسروں کے پاس بھی کشتیاں رہی ہوں گی؛ لیکن ان کی کشتیاں ان کے کچھ کام نہ آ سکیں اس لیے کہ ان کو خدا کی حفاظت حاصل نہیں تھی۔

'جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ' یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ شان اپنی اس لیے دکھائی کہ اپنے اس بندے کو، نوازے جس کی ناشکری اور ناقدری کی گئی، یہاں تک کہ اس کو مضطر ہو کر 'اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ' (۱۰)

کی فریاد کرنی پڑی۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۱۵)

نشانیاں بہت ہیں لیکن عبرت حاصل کرنے والے تھوڑے ہیں

ضمیر مفعول کا مرجع وہ سرزمین بھی ہو سکتی ہے جس کا ذکر اوپر 'وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا' (۱۲) کے الفاظ سے ہو چکا ہے اور قوم نوح کی یہ سرگزشت بھی ہو سکتی ہے جس کی تفصیل تورات کے صحیفوں میں بھی نقل ہوئی ہے اور جس کو ہر دور میں تواترِ عام کی حیثیت بھی حاصل رہی ہے۔ عربی زبان میں ضمیروں کا اس طرح استعمال ایک معروف چیز ہے۔ اس کی متعدد مثالیں اس کتاب میں ہم پیش کر چکے ہیں اور آگے بھی آئیں گی۔ بعض لوگوں نے اس سے کشتیٔ نوح کے ڈھانچے کو مراد لیا ہے جس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس امت کے بعض اگلوں نے کوہ جُودی کے کسی حصہ میں اس کو دیکھا تھا۔ لیکن اس روایت کی ہمارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سورۂ 'حاقّہ' کی تفسیر میں ان شاء اللہ ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

'فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ' یعنی نشانیاں اور عبرت انگیز واقعات تو بہت ہیں جو صفحۂ ارض پر بھی ثبت ہیں اور تاریخ کے اوراق میں بھی محفوظ ہیں لیکن عبرت حاصل کرنے والے دل کہاں ہیں!

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ (۱۶)

'نُذُرِ' اصل میں 'نُذُرِيْ' ہے۔ 'ی' قافیہ کی رعایت سے گر گئی، کسرہ اس کی نشانی کے طور پر باقی رہ گیا ہے۔ 'نُذُرٌ' یہاں 'انذار' سے اسم ہے اور اس کے معنی ڈراوے، تنبیہ اور آگاہی کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس سننے والے کان اور عبرت پکڑنے والا دل ہو تو وہ اس سرگزشت میں دیکھ سکتا ہے کہ اللہ کا عذاب کیسا بے پناہ ہوتا ہے اور اس کی دھمکی کس طرح پوری ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۱۷)

یہ آیت ہر سرگزشت کے بعد، ٹیپ کے بند کے طور پر بار بار آئے گی۔ اس کا مطلب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے تاکہ ہر جگہ وضاحت کی ضرورت پیش نہ آئے۔

'تیسیر' اور 'ذکر' کا مفہوم

اس آیت کا مطلب عام طور پر لوگوں نے یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو حفظ کرنے یا نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان کتاب بنایا ہے۔ یہ بات اگرچہ بجائے خود صحیح ہے کہ قرآن حفظ کرنے کے لیے بھی آسان ہے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے بھی سہل ہے لیکن آیت کا مفہوم اس سے بہت وسیع ہے۔

لفظ 'تیسیر' عربی میں کسی چیز کو کیل کانٹے سے درست کرنے، پیش نظر مقصد کے لیے اس کو اچھی طرح موزوں بنانے اور جملہ لوازم سے اس کو آراستہ و پیراستہ کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ مثلاً 'يُسِّرَ الْفَرَسُ لِلرُّكُوْبِ' کے معنی ہوں گے گھوڑے کو تربیت دے کر، اس کو کھلا پلا کر، زین، لگام، رکاب سے آراستہ کر کے سواری کے لیے بالکل ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ یہیں سے یہ لفظ کسی شخص کو کسی مہم کے لیے تیار اور جملہ لوازم سے مسلح کر کے اس کو اس کا اہل بنا دینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ ایک جاہلی شاعر کہتا ہے:

وَنِعْمَ فَاعِلُنَا اِذَا مَا نَابَهٗ حَتّٰی نُیَسِّرَهٗ لِفِعْلِ السَّیِّدِ

(اور جب ہمارے سرِ راہ کار کو کوئی مہم پیش آتی ہے تو ہم اس کی مدد کرتے ہیں یہاں تک کہ سرداروں کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی راہ اس کے لیے ہموار کر دیتے ہیں)۔

لفظ 'ذکر' بھی یہاں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی تعلیم، تذکیر، آگاہی، تنبیہ، نصیحت، موعظت، حصولِ عبرت اور اتمامِ حجت سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ ان تمام مفہوموں میں یہ لفظ قرآن میں بھی آیا ہے۔ یہ حقیقت بھی یہاں پیشِ نظر رہے کہ قرآن مجید ہمارے اوپر کوئی چیز خارج سے نہیں لادتا بلکہ ہماری ہی فطرت اور ہماری ہی عقل کے اندر اللہ تعالیٰ نے علم و معرفت کے جو خزانے ودیعت فرمائے ہیں لیکن ہم ان سے غافل ہیں، انہی کو ہمارے سامنے اجاگر کرتا اور اس سے بہرہ مند ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

ان دونوں لفظوں کا صحیح مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب آیت کے موقع و محل اور اس کے مفہوم پر غور فرمائیے۔ اوپر یہ بات ارشاد ہوئی ہے کہ پیغمبر جس عذاب سے تمھیں آگاہ کر رہے ہیں وہ ایک امر شدنی ہے۔ آفاق و انفس سب اس کے گواہ ہیں۔ رسولوں اور ان کی قوموں کی تاریخ اس کی شاہد ہے لیکن تم مچلے ہوئے ہو کہ جب اس عذاب کی نشانی دیکھ لوگے تب مانو گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری تعلیم و تذکیر کے لیے قرآن اتارا ہے جو ہر پہلو سے اس مقصد کے لیے جملہ لوازم سے آراستہ و مسلح ہے تو آخر اس عظیم نعمت سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے، عذاب کے تازیانے ہی کے لیے کیوں بے قرار ہو!!

۴۔ تیسیرِ قرآن کے چند پہلو

تیسیرِ قرآن کے مختلف پہلوؤں پر ہم اپنی کتاب 'مبادیٔ تدبرِ قرآن' میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ یہاں ان کے اعادے کی گنجائش نہیں ہے لیکن آیت کے تعلق سے چند ضروری باتوں کی طرف ہم یہاں بھی اشارہ کریں گے تاکہ ان لوگوں کی غلط فہمی رفع ہو جو اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن ایک سہل اور سپاٹ کتاب ہے جو صرف حفظ و تلاوت کے لیے نازل ہوئی ہے، اس کے سمجھنے کے لیے کسی تفکر و تدبر کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے زعم میں ہر شخص جو الٹی سیدھی عربی سمجھ سکتا ہے وہ بے تکلف قرآن بھی سمجھ سکتا ہے۔ یہ غلط فہمی فہمِ قرآن کی راہ کو مسدود کر دینے والی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ تیسیرِ قرآن کے جن پہلوؤں کی طرف خود اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے ہم ان کو یہاں بالاجمال یکجا کر دیں۔

- تیسیرِ قرآن کا سب سے نمایاں پہلو جس کا قرآن نے بار بار حوالہ دیا ہے یہ ہے کہ وہ 'عربی مبین' میں نازل ہوا ہے، یعنی قریش کی فصیح و بلیغ ٹکسالی زبان میں جس میں کوئی کج پیچ نہیں ہے تاکہ اہلِ عرب اس کو خوبی سے سمجھ سکیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو جائے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے نجماً نجماً یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے بالتدریج نازل فرمایا تاکہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بالتدریج سنائیں اور سکھائیں اور لوگ اس کو بالتدریج سنیں سمجھیں اور اس کی تعلیمات اچھی طرح ہضم کریں۔ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (بنی اسرآئیل : ۱۰۶) (اور قرآن کو ہم نے قسط قسط کر کے اتارا تاکہ تم لوگوں کو اس کی تعلیم ٹھہر ٹھہر کر دو) اگر پورا قرآن بیک دفعہ جُمْلَةً وَّاحِدَةً نازل کر دیا جاتا، جیسا کہ کفار کا مطالبہ تھا تو یہ چیز تیسیر قرآن کے منافی ہوتی۔

- تیسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کی تمام بنیادی تعلیمات پہلے گٹھے ہوئے الفاظ اور فقروں اور چھوٹی چھوٹی جامع اور محکم سورتوں کی شکل میں نازل ہوئیں تاکہ لوگوں کے لیے ان کا اخذ کرنا، ان کو محفوظ رکھنا، ان پر عمل کرنا اور دوسروں تک ان کو پہنچانا آسان ہو۔ بعد میں جب لوگ مانوس ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے ان گٹھے ہوئے محکم فقروں کی وضاحت فرمائی۔ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ (ھود : ۱) میں اسی تیسیر کی طرف اشارہ ہے۔
- چوتھا پہلو یہ ہے کہ قرآن میں ہر بات گوناگوں پہلوؤں سے مختلف شکلوں، سورتوں، مختلف سوابق و لواحق اور نئے نئے اطراف و جوانب کے ساتھ بیان ہوئی ہے تاکہ ایک جگہ قاری کے ذہن میں بات نہیں آئی ہے تو دوسری جگہ آ جائے اور ایک مقام میں کوئی دلیل دل میں نہیں اترتی ہے تو دوسرے سیاق و سباق میں وہ ذہن نشین ہو جائے۔ قرآن نے اس چیز کو تصریفِ آیات سے تعبیر فرمایا ہے۔ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ (الاعراف : ۵۸)
- پانچواں پہلو یہ ہے کہ قرآن میں مکی اور مدنی سورتوں پر مشتمل سات گروپ ہیں۔ یہ ساتوں گروپ مل کر قرآن عظیم کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ ہر گروپ میں مطالب مشترک بھی ہیں اور فی الجملہ ایک دوسرے سے ممتاز بھی۔ ہر سورہ اپنے ساتھ ایک مثنٰی بھی رکھتی ہے اور یہ دونوں مل کر اپنے زیرِ بحث موضوع کو ایک مکمل سورت میں پیش کرتی ہیں۔ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ[1] (الزمر : ۲۳) اور وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ[2] (الحجر : ۸۷) کے تحت ہم ان اجمالات کی وضاحت کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ترتیب کا یہ اہتمام اللہ تعالیٰ نے تیسیر ہی کے مقصد سے اختیار فرمایا ہے۔

۵۔ آگے آیات ۱۸ - ۴۲ کا مضمون

جس مقصد سے اوپر حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی سرگزشت بیان ہوئی ہے بعینہٖ اسی مقصد سے آگے عاد، ثمود، قومِ لوط اور آلِ فرعون کی سرگزشتیں بیان ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر سرگزشت بعینہٖ اسی ترجیع پر ختم ہوئی ہے جس پر قومِ نوح کی سرگزشت تمام ہوئی ہے —— آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۸-۴۲

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

---

[1] ملاحظہ ہو تدبر قرآن، جلد پنجم، صفحہ ۵۸۰۔

[2] ملاحظہ ہو تدبر قرآن، جلد سوم، صفحات ۶۲۲ - ۶۲۴

رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾ تَنزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ
أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ
يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾
فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۲۴﴾
أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ
غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً
لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ
بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً
فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ
مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ
كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا
بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ
فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ
مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ
لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

ترجمۂ آیات ۱۸-۴۲

عاد نے بھی تکذیب کی تو دیکھو کس طرح واقع ہوا میرا عذاب اور میرا ڈراوا! ہم نے ان پر مسلط کر دی باد تند ایک مسلسل نحوست کے وقت میں جو لوگوں کو اکھاڑ پھینکتی گویا وہ اکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہوں۔ تو دیکھو، میرا عذاب اور میرا ڈراوا کس طرح پیش آ کے رہا! اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے نہایت سازگار بنایا ہے تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا! ۱۸-۲۲

ثمود نے بھی انذار کی تکذیب کی۔ انھوں نے کہا، کیا ہم اپنے ہی اندر کے ایک بشر کی پیروی کریں گے! اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم کھلی گمراہی اور جہنّم میں پڑے! کیا ہمارے اندر سے اسی پر یاددہانی نازل کی گئی، بلکہ وہ ایک لپاٹیا اور شیخی باز ہے! وہ کل کو جان لیں گے کہ لپاٹیا اور شیخی باز کون ہے! ہم ناقہ کو بھیجنے والے ہیں ان کے لیے آزمائش بنا کر تو ان پر نگاہ رکھ اور صبر کر۔ اور ان کو آگاہ کر دے کہ اب پانی ان کے درمیان تقسیم ہے۔ باری باری پر حاضر ہونا ہے۔ تو انھوں نے اپنے سردار سے فریاد کی پس وہ بڑھا اور اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ تو دیکھو، میرا عذاب اور میرا ڈراوا کس طرح واقع ہو کر رہا! ہم نے ان پر ایک ہی ڈانٹ بھیجی تو وہ باڑھ والے کی باڑھ کے چورے کی طرح ہو کر رہ گئے۔ اور ہم نے قرآن کو یاددہانی کے لیے نہایت موزوں بنایا ہے تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا! ۲۳-۳۲

قوم لوط نے بھی تنبیہات کو جھٹلایا تو ہم نے ان پر سنگ ریزے برسانے والی ہوا مسلط کر دی۔ صرف آلِ لوط اس سے بچے۔ ہم نے ان کو نجات دی سحر کے وقت۔ خاص اپنے فضل سے۔ ایسا ہی صلہ ہم دیا کرتے ہیں ان کو جو شکرگزار رہتے ہیں۔ اور اس نے ان کو

ہماری پکڑ سے آگاہ کیا لیکن وہ تنبیہات میں میں میکھ نکالتے ہی رہے۔ اور انھوں نے اس کو اس کے مہمانوں کے بارے میں پھسلایا تو ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں تو چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا! اور ان پر آدھمکا سویرے ایک ٹک جانے والا عذاب۔ تو چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا! اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے نہایت آراستہ کیا تو ہے کوئی یاددہانی حاصل کرنے والا! ۳۳ - ۴۰

اور آلِ فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئیں۔ انھوں نے ہماری ساری ہی نشانیوں کو جھٹلا دیا۔ تو ہم نے ان کو ایک غالب اور قوت والے کے پکڑنے کی طرح پکڑا۔ ۴۱ - ۴۲

۶- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ (۱۸)

عاد کی سرگزشت کا حوالہ

'كَذَّبَتْ عَادٌ' کے بعد 'بِالنُّذُرِ' برنبائے قرینہ محذوف ہے۔ آگے کے ذکر میں اس کی وضاحت ہو گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے 'كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ'۔ 'نُذُر'، 'نَذِیر' کی جمع بھی ہے اور 'انذار' سے اسم یا حاصل مصدر بھی۔ اگر 'نذیر' کی جمع مانیے تو اس کے معنی ہوں گے ڈرانے والے رسول، آگاہی دینے والی نشانیاں، بیدار کرنے والی تنبیہات، اور اگر اس کو حاصل مصدر کے مفہوم میں لیجیے تو اس کے معنی ہوں گے ڈراوا، تنبیہ، آگاہی اور تہدید و وعید۔ قرآن میں یہ لفظ ان تمام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ کرتے وقت موقع و محل کی مناسبت کا لحاظ ضروری ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (۱۹)

یہ اس عذاب کی وضاحت ہے جو قوم عاد پر اللہ تعالیٰ نے مسلط کیا۔ فرمایا کہ ہم نے ان پر شمال کی بادِ تند مسلط کر دی۔ 'صرصر'، شمال کی اس بادِ تند کو کہتے ہیں جو سردیوں میں چلتی ہے، جس سے ہر چیز پر ایک عام نحوست و یبوست چھا جاتی ہے۔ یہ زمانہ عرب میں قحط کا زمانہ ہوتا اس وجہ سے اہلِ عرب اس کو 'یوم نحس' یا 'ایامِ نحسات' کہتے۔ آیت میں 'یوم نحس' سے کوئی معین دن مراد نہیں ہے بلکہ وقت اور زمانہ مراد ہے۔ عربی میں یہ اس معنی میں معروف ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام میں یہی مضمون 'ایامِ نحسات' کے الفاظ سے بیان ہوا ہے اور بعض مقامات میں یہ تصریح بھی ہے کہ یہ بادِ تند ان پر سات راتیں اور آٹھ دن

مسلط رہی۔ لفظ 'مُّستَمِرٌّ' سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ یہ ہوا وقتی جھونکے کی طرح نہیں چلی کہ لوگ اس کو سہ لے جاتے بلکہ سات آٹھ دن کے لیے وہ ان پر عذابِ الٰہی بن کر مسلط رہی۔

تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ (۲۰)

ہوا کے زور اور اس کی قہرمانیت کا یہ حال تھا کہ وہ لوگوں کو اس طرح اکھاڑ پھینکتی گویا وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔ سورۂ 'حَاقَّة' میں 'مُنقعر' کی جگہ لفظ 'خاویة' آیا ہے جس کے معنی کھوکھلے کے ہیں۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں یہ اشارہ موجود ہے کہ جب بادِ تند چلنی شروع ہوئی تو جو جہاں تھا وہیں زمین سے چمٹ کر رہ گیا لیکن ہوا کا زور بڑھتا ہی گیا اس وجہ سے کسی کو اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اسی حال میں سب فنا ہو گئے اور ان کی لاشیں ہوا کے زور میں اس طرح لڑھکتی پھرتی تھیں جس طرح کھجوروں کے کھوکھلے تنے لڑھکتے پھرتے ہیں۔ ان کے عذاب کی پوری تفصیل سورۂ ذاریات کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۲۱-۲۲)

یہ آیتیں قومِ نوح کی سرگزشت کے آخر میں اوپر گزر چکی ہیں اور ان کی وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (۲۳-۲۴)

واقعۂ ثمود

یعنی قومِ ثمود نے بھی اسی طرح رسول کی تنبیہات کی تکذیب کی۔ انھوں نے کہا کہ اگر ہم اپنے ہی اندر کے ایک بشر کو رسول مان کر اس کی پیروی کریں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم گمراہی میں پڑے اور بھاڑ میں گئے۔ عام طور پر مترجموں نے 'سُعُر' کا ترجمہ جنون کیا ہے لیکن یہاں یہ لفظ جس اسلوب سے استعمال ہوا ہے وہ اس معنی سے ابا کرتا ہے۔ میرے نزدیک یہ 'سعیر' کی جمع ہے اور آگ کے معنی میں آیا ہے۔ اسی سورہ کی آیت ۴۷ میں ہے: 'اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ' (بے شک مجرمین گمراہی میں ہیں اور جہنم میں پڑنے والے ہیں)۔ ظاہر ہے کہ یہ انذار حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو کیا ہو گا۔ انہی کی کہی ہوئی بات قوم نے ان کے اوپر الٹ دی کہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے ان کی بات نہ مانی تو ہم گمراہی میں ہیں اور جہنم میں پڑیں گے، حالانکہ اگر ہم ان کے پیرو بن گئے تب گمراہی میں مبتلا ہو کر جہنم کے سزاوار ٹھہریں گے۔ بھاڑ میں جانے اور جہنم میں پڑنے کے محاورے ہماری زبان میں بھی معروف ہیں۔ گمراہی اور جہنم میں سبب اور مسبّب کا رشتہ واضح ہے لیکن گمراہی اور جنون میں اس طرح کا کوئی تعلق سمجھ میں نہیں آتا۔

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ (۲۵)

یعنی اول تو یہی بات عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بشر کو رسول بنائے لیکن اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ اس کارِ عظیم کے لیے ان کی نظرِ انتخاب ہماری پوری قوم کے اندر سے انہی کے اوپر پڑی! آخر ان کے کیا ایسے موتی ٹنکے ہوئے ہیں کہ اللہ کو اپنی ہدایت اتارنی ہوئی تو اس نے ان پر اتاری! جو لوگ پشتہا پشت

سے قوم کی سرداری و پیشوائی کر رہے ہیں آخر وہ کیوں نظر انداز کر دیے گئے! بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ یعنی یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ شخص اپنے دعوے اور دعوت میں سچا ہو بلکہ یہ بالکل جھوٹا ہے اور ساتھ ہی شیخی باز ہے اس وجہ سے رسول ہونے کا دعویٰ کر کے ہمارے اوپر دھونس جمانا اور اپنی برتری کا سکہ بٹھانا چاہتا ہے۔

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (۲۶)

یہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کا برسرِ موقعہ جواب دے دیا کہ یہ جو کچھ اس کرنی چاہتے ہیں کر لیں. فیصلہ کی گھڑی قریب ہے۔ اللہ کا عذاب آیا ہی چاہتا ہے۔ اس وقت یہ دیکھ لیں گے کہ جھوٹا اور شیخی باز کون ہے!

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ (۲۷)

یہ اس عذاب کی تمہید ہے جس کی طرف اوپر والی آیت میں اشارہ ہے۔ فرمایا کہ ہم ایک خاص اونٹنی کو ان کے لیے ایک آزمائش بنا کر بھیجنے والے ہیں تو تم ان پر نگاہ رکھو اور صبر کے ساتھ حالات کو دیکھتے جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو یہ اونٹنی کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں اور پھر کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس اونٹنی کے آزمائش ہونے کی شکل آگے والی آیت میں بیان ہو رہی ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ (۲۸)

اللہ تعالیٰ نے ایک اونٹنی نامزد کر کے حضرت صالحؑ کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو آگاہ کر دو کہ پانی پینے کا جو گھاٹ ہے اب اس پر پانی پلانے کی باری تقسیم کر دی گئی۔ اب ہر ایک کو اپنی باری پر حاضر ہونا ہوگا۔ اور جو باری اللہ کی اونٹنی کے لیے مقرر کر دی گئی ہے کسی کو حق نہیں ہوگا کہ اس کی باری میں کوئی اس سے تعرض کرے۔ اگر اونٹنی کو کوئی گزند پہنچایا گیا تو یہ اللہ کے عذاب کا پیش خیمہ ہوگا۔ یہ امتحان اللہ تعالیٰ نے اس لیے مقرر فرمایا کہ ان کے اندر کا سارا کھوٹ باہر آ جائے اور آشکارا ہو جائے کہ ان کی سرکشی کا پارا کتنا چڑھ چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تنبیہ کے بعد کہ یہ اونٹنی عذاب الٰہی کا نشان ہے اس کو گزند پہنچانے کی جسارت وہی کر سکتے تھے جن کو خود پیغمبر پر ہاتھ اٹھانے میں کوئی خوف مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ کسی قوم کے طغیان کی یہی حد ہے جس پر پہنچ جانے کے بعد وہ اللہ کے عذاب کی مستحق ہوتی ہے۔ اس کے بعد اتمام حجت کے لیے کوئی اور چیز باقی نہیں رہ جاتی۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ (۲۹)

قوم کے لوگ بھلا اس پابندی کو کب گوارا کرنے والے تھے۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ محض حضرت صالحؑ کی دھونس ہے۔ چنانچہ اپنے سردار سے انھوں نے فریاد کی۔ وہ بدبخت لپکا اور اونٹنی کی کونچیں اس نے کاٹ دیں۔ 'تَعَاطٰی' کے معنی پنجوں پر کھڑے ہو کر کسی کام کے لیے اقدام کرنے کے ہیں۔ یعنی اپنے زعم میں اس نے بڑی بسالت دکھائی اور اپنی قوم کے لیے ایک نہایت جرأت مندانہ قدم اٹھایا لیکن اس کی یہ

جبارت پوری قوم کو لے ڈوبی۔

لفظ 'عقر' اونٹ کی کونچیں کاٹ دینے کے لیے آتا ہے۔ کونچیں کاٹ دینے کے بعد اونٹ یا اونٹنی کا زندہ رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ (۳۰)

اس آیت کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے انذار کے مطابق ان پر عذاب آدھمکا۔ قرآن کے دوسرے مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ان کو صرف تین دن کی مہلت ملی کہ اب بھی اگر وہ توبہ کرنی چاہیں تو کرلیں لیکن انھوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ (۳۱)

یہ اشارہ اس عذاب کی طرف ہے جو ان پر آیا 'صَيْحَة' کے معنی کڑک کے ہیں۔ دوسرے مقام میں لفظ 'صَاعِقَة' بھی آیا ہے۔ استاذِ امامؒ نے سورۂ ذاریات کی تفسیر میں اس عذاب کی نوعیت پر، قرآن کی روشنی میں، مفصل بحث کی ہے۔ آخر میں خلاصۂ بحث ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

> "اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ نے سرما کے بادلوں، تند ہوا اور ہولناک کڑک کا عذاب مسلط کیا۔ لیکن اصل تباہی ہوا کے تصرفات سے واقع ہوئی۔ اس وجہ سے اگر اثر سے مؤثر پر استدلال کرنے کا طریقہ اختیار کیا جائے تو یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے سرما کے دھاریلوں والے بادل بھیجے جن کے اندر ہولناک کڑک اور بہرا کر دینے والی چیخ بھی تھی۔"

یہ امر بھی واضح رہے کہ اس طرح کی گرج چمک کے لوازم میں سے ژالہ باری بھی ہے جو اگر شدت اختیار کرلے تو سنگ باری کے ہولناک عذاب کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور ہر چیز کو بھس بنا کر رکھ دیتی ہے۔

'فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ' 'مُحْتَظِر' باڑھ بنانے والے کو کہتے ہیں۔ چرواہے عام طور پر اپنے گلّوں کی حفاظت کے لیے میدانوں میں جھاڑ جھنکاڑ کی باڑھ بنا لیتے ہیں جس کے اندر شب میں گلہ کو محفوظ کر دیتے ہیں۔ اس قسم کی باڑھ کچھ عرصہ کے بعد بارش، ہوا اور جانوروں کے روندنے سے ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ 'هَشِيم' اسی طرح کی ریزہ ریزہ چیز کو کہتے ہیں۔ یہ ان کی تباہی کی تمثیل ہے کہ ہوا، بارش، سنگباری اور کڑک نے اس طرح ان کو چور چور کر دیا جس طرح باڑھ والے کی باڑھ چور چور ہو کے رہ جاتی ہے۔ یعنی دیکھنے والا ان کے گھروں اور آبادیوں کو دیکھتا تو یہ گمان کرتا کہ کبھی یہاں کچھ لوگ بسے تو تھے لیکن اب صرف ان کے روندے ہوئے آثار باقی رہ گئے ہیں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (۳۲)

یہ وہی ترجیع کی آیت ہے جس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ (۳۳-۳۴)

واقعۂ قوم لوط

فرمایا کہ اسی طرح لوطؑ کی قوم نے بھی تنبیہات کو جھٹلایا تو اتمام حجّت کے بعد ہم نے ان پر سنگ ریزے برسانے والی آندھی مسلط کر دی۔ حاصب کی نوعیت سورۂ ذاریات کی تفسیر میں واضح کی جا چکی ہے۔

'اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ' یعنی اس عذاب سے صرف آل لوط محفوظ رہے۔ لفظ 'آل' پر اس کے محل میں بحث گزر چکی ہے کہ اس کے مفہوم میں صرف آدمی کی صُلبی ذرّیت ہی شامل نہیں ہے بلکہ اس کی معنوی ذرّیت یعنی اس کے اتباع بھی اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔

'نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ' فرمایا کہ لوطؑ اور ان کے اتباع کو ہم نے عذاب کے ظہور سے پہلے ہی سحر کے وقت بستی سے نکال لیا۔ عذاب کا وقت آگے 'وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً' کے الفاظ سے واضح فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب صبح کو آیا اور یہ لوگ طلوعِ فجر سے پہلے پہلے عذاب کے علاقہ سے نکل چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ حفاظت ان کو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے حاصل ہوئی۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ (۳۵)

ایسے ہولناک عذاب سے اس طرح بال بال بچا لیا جانا صرف اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی عنایت ہی سے ممکن ہے۔ کسی دوسرے کے لیے اس طرح کا پروگرام بنا لینا ممکن نہیں ہے۔

'كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ' میں حضرت لوطؑ کی غیر معمولی صفتِ شکر کی غیر معمولی داد بھی ہے اور اس امر کا اعلانِ عام بھی کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عنایت صرف حضرت لوطؑ ہی کے لیے خاص نہیں تھی بلکہ آج بھی جو لوگ اس کے شکر کرنے والے ہوں گے وہ اس کی عنایتِ خاص کے حقدار ہوں گے۔ اس کا دامنِ رحمت بہت وسیع ہے۔

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ (۳۶)

آیت ۳۵ بیچ میں بطور جملہ معترضہ آ گئی تھی۔ یہ ان کے اوپر عذاب نازل ہونے کا سبب بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کے سبب اس کے سزاوار ٹھہرے۔ اللہ کے رسول نے ان کو ہر پہلو سے اچھی طرح آگاہ کر دیا کہ انھوں نے اپنی روش نہ بدلی تو خدا کی پکڑ میں آ جائیں گے اور اس کی پکڑ سے کوئی بچانے والا نہیں بنے گا، لیکن وہ ہر تنبیہ میں حجتیں نکالتے ہی رہے۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ (۳۷)

یہ ان کی اس آخری جسارت کی طرف اشارہ ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر آ دھمکا۔

فرمایا کہ جس بے حیائی میں وہ مبتلا تھے رسول کی تنبیہات سے اس سے باز آنا تو الگ رہا وہ اس میں دن بدن دلیر ہی ہوتے گئے یہاں تک کہ جب فرشتے خوبصورت مردوں کے بھیس میں حضرت لوطؑ کے پاس آئے

لوطؑ کے مکان پر چڑھ دوڑے اور ان کو راضی کرنا چاہا کہ وہ ان مہمانوں کو ان کی ہوس کاری کے لیے ان کے حوالہ کر دیں۔

جو لوگ اس طرح اندھے بہرے بن جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ اندھے بہرے ہی کر دیے جاتے ہیں۔ پھر نہ کوئی موعظت وہ سننے کے اہل رہ جاتے، نہ کوئی بڑی سے بڑی نشانی دیکھنے کے۔ اس کے بعد واحد چیز جو ان کے لیے باقی رہ جاتی ہے وہ اللہ کا عذاب ہے چنانچہ یہ لوگ بھی اسی عذاب کے حوالہ کر دیے گئے۔

فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ کے الفاظ سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ان کی ظاہری آنکھیں بھی مُونددی گئی ہوں بلکہ یہ ان کے بصیرت سے کلیتہً محروم کر دیے جانے کی تعبیر بھی ہو سکتی ہے۔ قرآن میں اس مفہوم کے لیے یہ اسلوب بیان جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ محمد میں ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ (محمد: ۲۳)

یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کر دی۔ پس ان کے کان بہرے کر دیے اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

اس آیت کی روشنی میں طَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ اپنی ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر اس حد کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عاقبت بینی کی صلاحیت سے بالکل محروم ہو گئے۔ انسان کی آنکھوں کا اصلی جوہر ان گڑھوں میں نہیں ہے جو چہروں پر نظر آتے ہیں بلکہ آنکھوں کی بصیرت میں ہے۔ یہ چیز جس کے اندر ختم ہو گئی اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہوئی وہ ہر لحہ خدا کے غضب کا ہدف ہے۔

ویسے یہ بات بھی معلوم ہے کہ جب ان اشرار نے حضرت لوطؑ کو ان مہمانوں کے لیے ورغلانا چاہا تو مہمانوں نے حضرت لوطؑ پر یہ راز کھول دیا تھا کہ آپ مطمئن رہیں، ہم بشر نہیں بلکہ خدا کے فرستادے ہیں۔ ان شیاطین کی مجال نہیں ہے کہ ہمارے پاس پھٹک سکیں۔ اس کے فوراً بعد انھوں نے حضرت لوطؑ کو روانہ ہو جانے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے روانہ ہو جانے کے بعد قرین قیاس یہی ہے کہ وہ اپنے اصل ملکوتی روپ میں آ گئے ہوں گے اور اس روپ میں ان کو بشری آنکھیں دیکھنے سے قاصر تھیں۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ (۳۸)

صبح کے وقت ان پر کنکر برسا دینے والا ہوا کا عذاب آ دھمکا۔ عرب میں حملہ اور غارت گری کا وقت بالعموم صبح ہی کا وقت ہوتا تھا، اس وجہ سے لفظ صَبَّحَ اس معنی میں آنے لگا۔ اوپر اشارہ گزر چکا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام اپنے اتباع کے ساتھ سحر کے اوّل وقت بستی سے نکل چکے تھے۔ یہاں یہ وضاحت ہے کہ عذاب طلوع صبح کے بعد آیا ہے۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت لوطؑ کے بستی سے نکلنے کے بعد عذاب کے آنے میں اتنی دیر ہوئی کہ حضرت لوطؑ عذاب کے علاقہ سے باہر نکل گئے۔

'عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ' سے مراد ٹک جانے والا عذاب ہے۔ عذاب ایک تو وہ ہے جو محض تنبیہ کے لیے آتا ہے جس میں کافر و مومن دونوں بلا امتیاز حصہ پاتے ہیں۔ البتہ مومن اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور کافر اس سے اپنی قساوتِ قلب میں اضافہ کرتے ہیں۔ دوسرا عذاب وہ ہے جو رسولوں کی تکذیب کے نتیجہ میں مکذبین کا فیصلہ کر دینے کے لیے آتا ہے۔ یہ عذاب جس قوم پر آیا اس نے وہیں ڈیرے ڈال دیے۔ اہل ایمان تو اس علاقہ سے نکال لیے گئے لیکن جنھوں نے رسول کی تکذیب کی وہ سب وہیں فنا کر دیے گئے۔

'مُّسْتَقِرٌّ' سے مقصود اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عذاب کوئی ایسا عذاب نہیں تھا جو ایک جھونکے کی طرح آیا اور گزر گیا بلکہ یہ وہیں ٹک کے رہ گیا۔

فَذُوْقُوْا عَذَابِیْ وَنُذُرِ ○ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (۳۹-۴۰)

یہ وہی ترجیع ہے جو اوپر والی سرگزشتوں کے ساتھ گزر چکی ہے اور جس کی پوری وضاحت ہو چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ○ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ (۴۱-۴۲)

واقعۂ فرعون

یہ آخر میں فرعون اور اس کی قوم کے انجام کی طرف بھی بالاجمال اشارہ کر دیا۔ آلِ فرعون سے مراد ظاہر ہے کہ صرف فرعون کے اہل و عیال ہی نہیں بلکہ اس کی پوری قوم ہے۔ 'نُذُر' یہاں جمع کے مفہوم میں ہے اور 'کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کُلِّهَا' کے الفاظ سے اس کی وضاحت ہو گئی ہے۔ یعنی یہ اشارہ انذار کی ان تمام نشانیوں کی طرف ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مصریوں کو قہرِ الٰہی سے ڈرانے کے لیے ظاہر ہوئیں اور جن کی پوری تفصیل تورات میں بھی موجود ہے اور قرآن نے بھی ان کا حوالہ دیا ہے اور ہم ان کی وضاحت کر چکے ہیں۔ ان نشانیوں میں سے ہر نشانی آنکھوں کی پٹیاں کھول دینے کے لیے کافی تھی لیکن فرعونیوں کے دل اتنے سخت ہو چکے تھے کہ وہ ساری نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی اندھے ہی بنے رہے۔

'اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ' سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جب ہم نے ان کو پکڑا تو اس طرح پکڑا جس طرح ایک زبردست اور بے پناہ قدرت والا پکڑتا ہے جس کی پکڑ سے کوئی بھی کسی کو بچا نہیں سکتا۔

۷۔ آگے آیات ۴۳ - ۵۵ کا مضمون

آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں۔ قریش کے لیڈروں کو براہِ راست خطاب کر کے ان کو متنبہ فرمایا ہے کہ رسولوں اور ان کی قوموں کی جو تاریخ تمھیں سنائی گئی ہے اسی کے آئینہ میں اپنا حشر بھی دیکھ لو۔ پچھلے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا جو انجام ہو چکا آخر تمھیں کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ تمھارے سامنے وہ انجام

نہیں آئے گا۔ تم بھی انہی کی طرح اس دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوگے اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے کہیں سخت ہوگا۔ آخر میں بالاجمال اس صلہ کا بھی ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو ملنے والا ہے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۴۳-۵۵

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

وقف لازم

ع ۳ / ۱۵ / ۱۰

ترجمہ آیات ۴۳-۵۵

کیا تمہاری قوم کے کفّار ان قوموں کے کفّار سے کچھ بہتر ہیں یا تمہارے لیے آسمانی صحیفوں میں برارت نامہ لکھا ہوا ہے! کیا ان کا زعم ہے کہ ہم مقابلہ کی قوت رکھنے والی جمعیّت ہیں! یاد رکھیں کہ ان کی جمعیت عنقریب شکست کھائے گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ ۴۳-۴۴-۴۵

بلکہ ان سے جو وعدہ ہے اس کے پورے ہونے کا اصلی وقت تو قیامت کا دن ہے اور قیامت کا دن بڑا ہی سخت اور بڑا ہی کڑوا ہوگا! ۴۶

بے شک مجرمین گمراہی میں ہیں اور دوزخ میں پڑیں گے۔ اس دن کو یاد رکھیں جب

یہ اپنے چہروں کے بل گھسیٹے جائیں گے! چکھو مزا دوزخ کی لپیٹ کا! ۴۷-۴۸

ہم نے ہر چیز ایک اندازے کے ساتھ پیدا کی اور ہمارا حکم تو بس یک دفعہ پلک جھپکنے کی طرح پورا ہوگا اور ہم نے تمہارے ہم مشربوں کو ہلاک کر چھوڑا تو ہے کوئی ان کے انجام سے عبرت حاصل کرنے والا! ۴۹-۵۱

اور جو کچھ انھوں نے کیا ہے سب رجسٹروں میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات ان میں مرقوم ہے۔ ۵۲-۵۳

بے شک خدا سے ڈرتے رہنے والے باغوں اور نہروں کے عیش میں ہوں گے۔ ایک پائدار مقامِ عزت میں، ایک مقتدر بادشاہ کے پاس! ۵۴-۵۵

۸- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ (۴۳)

اللہ تعالیٰ کا قانونِ مکافات سب کے لیے یکساں ہے

یہ قریش سے خطاب ہے جن سے اوپر سے بحث چلی آرہی ہے۔ ان کو براہِ راست خطاب کر کے فرمایا کہ رسولوں کے انذار کی تکذیب کرنے والوں کا جو انجام ہوا اس کی تفصیل تم نے سن لی۔ اب بتاؤ کہ انہی کی روش جب تم نے اختیار کی ہے تو آخر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اس سے مختلف معاملہ کیوں کرے گا؟ کیا تمہاری قوم کے کفار ان سے بہتر ہیں یا آسمانی صحیفوں میں تمہارے لیے کوئی برات نامہ لکھا ہوا ہے کہ تم جو چاہو کرو، تم سے کوئی پرسش نہیں ہونی ہے! اللہ کے عدل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ ایک ہی قانون کے تحت معاملہ کرے اور یہی بات اس نے اپنے صحیفوں میں لکھی بھی ہے تو آخر تم نے اپنے لیے یہ عفوِ عام کا پروانہ کہاں سے حاصل کر لیا! یہی مضمون دوسرے مقام میں یوں ارشاد ہوا ہے: أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۝ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ (القلم: ۳۷-۳۸) (کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے اس میں وہی کچھ ہے جو تم چاہو گے)۔

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (۴۴-۴۵)

یعنی اگر ان کو یہ زعم ہے کہ وہ ایک مضبوط جمعیت ہیں، کوئی ان کو ان کی جگہ سے ہلا نہیں سکتا تو یہ زعم بالکل

باطل ہے۔ اللہ کے عذاب کے آگے کوئی نہیں ٹِک سکتا۔

جن کو اپنی جمعیت و قوت پر ناز ہوتا ہے وہ جس طرح اپنے حریفوں کی کسی تہدید و وعید کو خاطر میں نہیں لاتے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ رسولوں کے انذار کو وہ ناقابلِ التفات سمجھتے ہیں۔ اپنے مادی وسائل و ذرائع پر ان کو اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ ان کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آتی کہ ان کے اوپر عذاب کدھر سے اور کس طرح آجائے گا! فرمایا کہ اگر ان کو یہ گھمنڈ ہے کہ انھوں نے تمام مورچے سنبھال رکھے ہیں اور مدافعت کی قوت سے بھرپور ہیں تو یاد رکھیں کہ خدا کی افواجِ قاہرہ کے مقابل میں ان کی قوت و جمعیت ذرا بھی کام آنے والی نہیں بنے گی۔ اس وقت ان کی جمعیت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ (۴۶)

عذاب دنیا کے بعد عذاب آخرت

یعنی اس ہزیمت و پامالی سے تو وہ اسی دنیا میں عنقریب دوچار ہوں گے لیکن ان کو جو وعید سنائی جا رہی ہے اس کے ظہور کا اصل دن قیامت کا دن ہے جو ان کے لیے بڑا ہی کٹھن اور نہایت ہی کڑوا ہو گا۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اوپر والی آیت میں اس عذاب و ہزیمت کا ذکر تھا جس سے رسولوں کے مکذبین کو لازماً اسی دنیا میں سابقہ پیش آتا ہے۔ اس آیت میں اس عذاب کا حوالہ ہے جو اصل روزِ حساب یعنی قیامت میں ان کے سامنے آئے گا اور جو بڑا ہی کٹھن ہو گا۔

اس کتاب میں جگہ جگہ ہم اس سنتِ الٰہی کا حوالہ دے چکے ہیں کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے اس دنیا میں بھی لازماً شکست کھاتے ہیں اور آخرت تو ان کی رسوائی کی جگہ ہے ہی۔ اسی حقیقت کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

'مَوْعِدٌ' یہاں ظرف کے مفہوم میں ہے۔ یعنی ان کو جو وعید سنائی جا رہی ہے اس کے ظہور کا اصل وقت یا جگہ۔

'اَدْھٰی' یعنی ایسی مصیبت کا دن ہو گا کہ اس دن کسی کو کچھ سجھائی نہیں دے گا، سب کی سِٹّی بھول جائے گی۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (۴۷)

لفظ سُعُر کے جمع لانے کا فائدہ

یعنی آج تو یہ بڑے طنطنہ سے کہتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے ہی اندر کے ایک بشر کو رسول مان کر اس کی پیروی کی تو ہم گمراہی اور جہنم میں پڑنے والے بنے لیکن اس دن یہ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ جنھوں نے رسول کے انذار کی تکذیب کی وہ سارے مجرمین گمراہی میں تھے اور اس گمراہی کا نتیجہ ان کے آگے جہنم کی شکل میں آیا۔ لفظ 'سُعُرٌ' ہمارے نزدیک، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں، جنون کے معنی میں نہیں بلکہ جہنم ہی کے مفہوم میں ہے۔ اس کے جمع کی صورت میں لانے سے مقصود اس کے مختلف طبقات کی طرف اشارہ ہے۔ لفظ 'جنت' بھی اسی طرح قرآن میں جگہ جگہ جمع کی صورت میں آیا ہے۔

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (۴۸)

استکبار کی سزا

اس دن ان مجرمین کو جس ذلت سے سابقہ پیش آئے گا، یہ اس کی یاد دہانی ہے۔ فرمایا کہ آج تو یہ بہت اکڑ اکڑ اور تھنے پھلا پھلا کر جھٹلا رہے ہیں لیکن وہ دن آنے والا ہی ہے جب یہ دوزخ کی آگ میں مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے۔ مونہوں کے بل گھسیٹے جانا انتہائی ذلت کی تصویر ہے۔ یہ سزا ان کو اس وجہ سے دی جائے گی کہ انھوں نے محض غرور کے سبب سے ایک واضح حقیقت کو جھٹلایا۔

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ، یہ قول زبانِ قال سے بھی ہو سکتا ہے اور زبانِ حال سے بھی۔ میں دوسری صورت کو ترجیح دیتا ہوں۔ ان کا اس طرح گھسیٹا جانا خود ہی انھیں سب سے زیادہ واضح طور پر بتا دے گا کہ ان کی یہ درگت کیوں بن رہی ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ (۴۹)

ہر کام کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں وقت مقرر ہے

یعنی اس عذاب اور قیامت کا آنا تو قطعی ہے، رہا یہ سوال کہ ان کا آنا قطعی ہے تو وہ آ کیوں نہیں جاتے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز ایک خاص اندازے کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اس نے ہر چیز کے لیے ایک اجلِ معین ٹھہرائی ہے جس میں وہ اس کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنی غایت کو پہنچ جائے۔ قوموں کے ساتھ بھی اس کا معاملہ اسی اصول پر ہے۔ کوئی قوم سرکشی کی راہ اختیار کرتی ہے تو وہ اس کو فوراً نہیں پکڑ لیتا بلکہ اس کو اتنی مہلت دیتا ہے کہ وہ اپنی خیر و شر کی تمام صلاحیتیں اجاگر کر سکے تاکہ اس پر حجت تمام ہو جائے اور قیامت کے دن اس کے پاس پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ یہی معاملہ وہ تمھارے (یعنی قریش) ساتھ بھی کرے گا۔ تمھیں اتنی مہلت دے گا جتنی مہلت اس کے قانون کے مطابق تمھیں ملنی چاہیے تاکہ تم اصلاح کرنی چاہو تو رسول کی ہدایت کے مطابق اصلاح کر لو۔ اور اگر یہ نہیں تو اپنا پیمانہ اچھی طرح بھر لو تاکہ جب پکڑے جاؤ تو تمھیں یہ شکوہ نہ رہے کہ تمھارے ساتھ جلدی کی گئی، اگر مزید مہلت ملتی تو اصلاح یافتہ بن جاتے۔ پس فلاح کی راہ یہ ہے کہ اللہ نے تمھیں جو مہلت بخشی ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ، عذاب کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ اس کا وقت مقرر ہے۔ جب وقت آ جائے گا تو کوئی اس کو روک نہ سکے گا۔

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (۵۰)

ہر کام کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک اشارہ کافی ہے

یعنی اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ عذاب اور قیامت کے لانے کے لیے ہمیں کوئی تیاری کرنی ہے اس وجہ سے اس کے آنے میں دیر ہو رہی ہے۔ اس طرح کی کوئی رکاوٹ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ جب ہم اس کو لانا چاہیں گے تو اس کے لیے ہمارا ایک ہی حکم کافی ہوگا۔ اس حکم کو دہرانے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اس حکم کے لیے بھی ہمیں کسی اہتمام و انتظام کی ضرورت نہیں پیش آنے کی بلکہ یہ اس طرح بروئے کار آئے گا جس طرح چشم و ابرو کا اشارہ ظہور میں آتا ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۵۱)

یعنی آخر اس عذاب کی تاخیر سے تم اس مغالطے میں کیوں پڑ گئے کہ یہ محض دھونس ہے؟ اگر تم پر ابھی نہیں آیا تو تمھارے ان پچھلے ہم مشربوں پر تو آ چکا ہے جن کو ہم ہلاک کر چکے ہیں تو آخر ان کے حالات سے کیوں سبق حاصل نہیں کرتے؟ 'اَشْیَاعَکُمْ' سے اشارہ ان قوموں کی طرف ہے جن کی سرگزشتیں اوپر سنائی جا چکی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کے عاقل ہونے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ دوسروں کے انجام سے سبق حاصل کرے نہ کہ جب سب کچھ اپنے اوپر گزر جائے تب مانے۔ اس ماننے سے کیا نفع پہنچے گا!

عاقل دوسروں کے انجام سے سبق سیکھتے ہیں

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ (۵۲-۵۳)

یعنی اس مغالطے میں بھی نہ رہیں کہ ان کا کوئی قول و فعل خدا کے احاطۂ علم سے باہر ہے۔ انھوں نے جو کچھ بھی کیا ہے سب ریکارڈ کے دفتروں میں محفوظ اور ہر چھوٹی بڑی بات نوشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے سامنے اس کا سارا کیا دھرا رکھ دے گا اور مجرم اس کو دیکھ کر پکار اٹھیں گے کہ عجیب ہے یہ رجسٹر کہ ہر چھوٹی اور بڑی بات اس نے محفوظ کر لی ہے۔

اللہ کے ہاں سب کا ریکارڈ محفوظ ہے

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ (۵۴)

'مُجْرِمِیْنَ' کے بعد یہ 'مُتَّقِیْنَ' کا ذکر ہے کہ وہ باغوں اور نہروں کے عیش میں ہوں گے۔ 'مُتّقین' یہاں مذکورہ بالا 'مجرمین' یعنی مکذبین جزا و سزا کے بالمقابل ہے اس وجہ سے اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو اپنے رب کے حضور پیشی اور جزا و سزا سے برابر ڈرتے رہے۔ لفظ 'جنت' کا جمع ہونا جنت کی وسعتِ اطراف کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ہر شخص کو کئی کئی باغ ملیں گے اور ان کے اندر بھی بہت سے الگ الگ باغ باغیچے ہوں گے۔ اگلی سورہ میں اس کی وضاحت آئے گی۔ 'فِیْ' کے بعد ایک مضاف، عربیت کے معروف اسلوب کے مطابق، محذوف ہے یعنی وہ باغوں اور نہروں کے عیش میں گھرے ہوئے ہوں گے۔ باغ اور نہر دونوں لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بغیر نہر کے باغ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن میں جنت کے ساتھ نہر کا ذکر اسی وجہ سے تقریباً ہر جگہ آیا ہے۔

'متقین' کا انجام

فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (۵۵)

یہ ان متقیوں کی اصل سرفرازی کا بیان ہے کہ جنت کا یہ عیش جاوداں ان کو ایک پائدار عزت والی بارگاہ میں، عظیم قدرت والے بادشاہ کے قرب میں، حاصل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قرب ہی ہے جو جنت کو جنت بناتا ہے ورنہ اس کی حیثیت ایک باغ سے زیادہ نہیں ہے۔

'مَقْعَدٍ' کی اضافت 'صِدْقٍ' کی طرف اس کی عزت، پائداری اور ابدیت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس طرح 'لسان صدق' کی ترکیب میں یہ تمام مفہوم پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس دربارِ عظیم کے درباری ہونے کا جو شرف ان کو حاصل ہو گا، نہ اس کی عزت بناوٹی اور نمائشی ہو گی نہ چند روزہ کہ آج ہے اور کل کرسی چھن جائے تو کوئی بھی پوچھنے والا نہ رہے۔

'عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ'، 'مَلِيْك' میں 'مَلِك' کے بالمقابل زیادہ زور ہے اس کے ساتھ 'مُقتدر' کی صفت اس کو مزید زوردار بنانے کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کا بادشاہ محض نام کا بادشاہ نہیں ہے، جیسا کہ مشرکوں اور ان گمراہ فرقوں نے مانا ہے جو خدا کو ہر چیز سے بالا محض ایک وجود معطل قرار دیتے ہیں، بلکہ وہ ہمہ گیر اقتدار رکھنے والا ہے۔

لفظ 'عِنْدَ' سے ایک اور حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ انسان کو بلند سے بلند رتبہ بھی جو حاصل ہوگا وہ صرف یہ ہے کہ وہ بادشاہِ حقیقی کے قرب میں عزت کی جگہ پائے گا۔ یہ نہیں ہوگا کہ وہ خدا میں ضم ہو کر خود خدا بن جائے، جیسا کہ باطنی صوفیوں نے دعویٰ کیا ہے۔

ربِّ کریم کے فضل سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

رحمان آباد

۱۱۔ اگست ۱۹۷۷ء

۲۵۔ شعبان ۱۳۹۷ھ